بھارت میں تربیت حاصل کر چکے ہیں اور ان کے ''را'' کے ساتھ روابط پر بھی بہت کچھ کہا جا چکا ہے۔ اسی جرم پر صلاح الدین شہید کیے گئے تھے۔

اسلامی جمہوریہ پاکستان کے دشمن طالبان نہیں ہیں۔ یہ طالبان افغانستان کے ہوں یا پاکستان کے۔ یہ محبّ وطن لوگ ہیں۔ پاکستان کے دشمن تو بھارت، اسرائیل اور امریکہ کے خرید کردہ، اُن کے دیئے ہوئے اسلحہ کے بل بوتے پر فتنہ پھیلانے والے دہشت گرد ہیں جنھیں طالبان کا نام دے کر، اُن کی مکمل پشت پناہی کرتے، بلوچستان، فاٹا اور سوات وغیرہ میں فعال رکھا گیا ہے تاکہ پاکستان کو غیر مستحکم ہی نہیں بلکہ مزید ٹکڑوں میں بنگلہ دیش بنانے کی طرح تقسیم کرتے (خاکم بدہن) ختم کر ڈالا جائے۔ اس خباثت کا توڑ صرف فوجی آپریشن نہیں ہے بلکہ جو وسائل ہر شعبہ میں بیٹھے ''سفید ہاتھی'' ہڑپ کر رہے ہیں۔ وہ انتہائی منصفانہ انداز میں محروم طبقات میں تقسیم کیے جائیں۔ مفید ترین منصوبوں پر مکمل دیانتداری کے ساتھ خرچ کیے جائیں۔ بلوچستان کا احساسِ محرومی دیانتداری سے ختم کیا جائے۔

استحکامِ وطن کے تقاضوں میں ترجیحاً تعلیم اور نظامِ عدل کا قبلہ درست کرنا ہے یا سودی معیشت سے چھٹکارا حاصل کرنا ہے۔ یہ تین کام اخلاصِ نیت سے ہو جائیں اور تسلسل برقرار رہے تو دوسرے سبھی معاملات بتدریج درست ہوتے جائیں گے۔ مسلمان کی عملی زندگی کا دستور العمل قرآن کریم اور سنتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہے۔ اسے کامل یکسوئی سے تھام لیا جائے تو دنیا و آخرت دونوں سنور جاتی ہیں۔ علامہ اقبال فرما گئے کہ:

کی محمد سے وفا تو نے تو ہم تیرے ہیں
یہ جہاں چیز ہے کیا، لوح و قلم تیرے ہیں

کامیابی اور بقا کا یہی ایک راستہ ہے باقی سبھی راستے گمراہی اور بربادی کی طرف جاتے ہیں۔ ایک طرف خالق کی رہنمائی ہے تو دوسری طرف ابلیس اور اس کے حواریوں کی۔ علم، عقل اور بصیرت سے فیصلہ لیں گے تو یہ خالق سے رجوع کے حق میں ہی فیصلہ دیں گے۔

ماہانہ مجلس ذکر و اصلاحی بیان
30 جولائی 2009ء
جمعرات بعد نماز مغرب
ابن امیر شریعت
حضرت پیر جی سید عطاء المہیمن بخاری دامت برکاتہم
امیر مجلس احرار اسلام پاکستان
دارِ بنی ہاشم
مہربان کالونی ملتان
الداعی سید محمد کفیل بخاری ناظم مدرسہ معمورہ دارِ بنی ہاشم مہربان کالونی ملتان
061-4511961

آخری قسط

حضرت مولانا عبدالقادر رائے پوری رحمتہ اللہ علیہ

پروفیسر خالد شبیر احمد

ردّ قادیانیت کی تین اہم شخصیتیں:

تاریخ محاسبہؑ قادیانیت میں کئی نامور شخصیتوں کا تذکرہ ملتا ہے۔ جنھوں نے مذہب کے نام پر قادیانیت کے اس سیاسی گروہ کے اصل خدوخال کو امت مسلمہ سے متعارف کرایا اور قادیانیت کی یلغار کو روکنے کے لیے انتہائی اہم خدمات سرانجام دیں۔ جو تاریخ پاک و ہند کی اسلامی تاریخ کا ایک روشن باب ہے اور جس پر ہماری آنے والی نسلیں قیامت تک فخر کرتی رہیں گی۔ لیکن تین شخصیتیں اپنی نوعیت کار کے حوالے سے باقی تمام شخصیتوں سے مختلف و منفرد شخصیتیں ہیں۔ جن میں مولانا محمد علی مونگریؒ، مولانا انور شاہ کاشمیریؒ اور مولانا عبدالقادر رائے پوریؒ شامل ہیں۔ قادیانیت کے سیلاب کو روکنے اور امتِ مسلمہ کو قادیانیت کے خلاف تلقین و ترغیب کے میدان میں ان تینوں شخصیتوں کا اپنا مقام و مرتبہ ہے۔ جو بے چینی و اضطراب اس سلسلے میں ان کے ہاں ملتی ہے وہ ہمیں کہیں دوسری جگہ نظر نہیں آتی۔ مولانا انور شاہ کاشمیریؒ کے بارے میں آپ چار قسطوں میں میرا مضمون پڑھ چکے ہیں اور حضرت رائے پوریؒ کے بارے میں آخری قسط میں آپ پڑھ لیں گے کہ آپ قادیانیت کے بارے میں کس قدر بے چین و مضطرب رہتے تھے۔ شاید اس کا بنیادی سبب یہ ہے کہ وہ قادیانیت کو امت مسلمہ کے مدِ مقابل ایک ایسی سامراجی تنظیم سمجھتے تھے کہ جس کا وجود امتِ مسلمہ کے دینی عقائد کے ساتھ ساتھ سیاسی مقاصد کے حصول کے راستے کی بھی ایک اہم رکاوٹ تھی۔ لیکن یہاں تھوڑا سا تذکرہ مولانا محمد علی مونگریؒ کے بارے میں ضروری سمجھتا ہوں۔ مفصل مضمون تو پھر کسی وقت انشاء اللہ تحریر کرنے کا ارادہ ہے تاہم اک تسلسل کو قائم کرنے کے لیے چند سطریں ان کے بارے میں ضروری خیال کرتا ہوں۔

مولانا محمد علی مونگریؒ ردِ قادیانیت ے محاذ پر اپنی پیرانہ سالی اور علالت کے باوجود اس قدر مستعد ہو گئے تھے کہ رات دن انہیں بس ایک ہی فکر دامن گیر رہتی تھی کہ قادیانیت کا محاسبہ اور اس کا تدارک کس طرح ممکن ہو۔ مولانا فضل الرحمٰن گنج مرادآبادی سے تعلق رکھنے والے ہزاروں نہیں لاکھوں لوگ بالخصوص ایسے تمام لوگ جن کا صوبہ بہار سے تعلق تھا مولانا کے ساتھ روحانی طور پر وابستہ تھے۔ جس کی وجہ سے آپ کو معاونین کی ایک کثیر تعداد میسر آ گئی تھی جنھیں انھوں نے قادیانیت کے خلاف کام کرنے کی ترغیب دلائی اور اس طرح بہت جلد یہ ترغیب ایک تحریک کی شکل اختیار کر گئی۔ بعض تجزیہ نگاروں کے مطابق تاریخ محاسبۂ قادیانیت کے سلسلے حضرت مولانا محمد علی مونگریؒ کو روزِ اوّل میں ایک منفرد مقام حاصل ہے۔ وہی جذبہ، وہی

ذوق وشوق، وہی بے چینی واضطراب جو ہم حضرت انور شاہ کاشمیری اور حضرت رائے پوری میں دیکھتے ہیں مولانا محمد علی مونگری کے ہاں بھی موجود ہے۔انھوں نے صوبہ بہار میں خصوصیت کے ساتھ قادیانیت کی یلغار کو نہ صرف روکا بلکہ اسے پسپائی پر مجبور کر دیا۔

حضرت رائے پوری اور قادیانیت:

حضرت مولانا عبدالقادر رائے پوریؒ کو ایک فوقیت دوسرے اکابر پہ اس طرح حاصل تھی کہ انھوں نے قادیانیت کے دور آغاز اور اس کے دوسرے تمام ادوار کو اپنی آنکھوں سے دیکھا اور خود مرزا غلام احمد قادیانی اور حکیم نورالدین سے ذاتی وقریبی واقفیت حاصل کی۔شاید یہی سبب تھا کہ آپ پر قادیانیت کے درپردہ مقاصد بڑی تفصیل کے ساتھ واضح ہوگئے۔انھیں اس بات کا شدید احساس ہوگیا تھا کہ قادیانیت دینِ اسلام کے بنیادی عقائد اور سیاسی مقاصد کے راستے کی ایک عظیم رکاوٹ ہے اور اگر اس فتنہ کا تدارک نہ کیا گیا تو یہ فتنہ آگے چل کے مسلمانوں کے لیے نہ صرف پاک و ہند بلکہ بین الاقوامی سطح پر بھی اتنی مہلک اور خطرناک صورت اختیار کر لے گا کہ اسکا علاج سرے سے ممکن ہی نہی ہوگا۔حضرت رائے پوریؒ قادیانیت کو ہر حوالے اور ہر سطح پر اسلام کی بیخ کنی اور تخریب کاری کا ذریعہ سمجھتے تھے۔اس کے ساتھ ساتھ آپ کو جو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ عقیدت اور ان پر جو اعتماد تھا، آپ کی ذاتِ اقدس کے ساتھ جو آپ کو عشق اور محبت تھی اس کی بنا پر بھی وہ ہر مدعیٔ نبوت کو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا رقیب وحریف ہی نہیں بلکہ دشمن سمجھتے تھے۔اس صورت حال نے ہی تو آپ کو بے حال و بے چین کر دیا تھا۔ ہر وقت انہیں یہی احساس دامن گیر رہتا کہ قادیانیت کا راستہ روکنے کے لیے کیا کیا ذرائع استعمال میں لائے جائیں کہ یہ سیلاب کفر والحاد ایک حد تک محدود ہو کے رہ جائے اور حد سے آگے نہ بڑھ سکے۔ وہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک غیرت مند عاشق اور ایک وفادار غلام تھے اور ان کے عشق اور ان کی غلامی کا ہی تقاضا تھا کہ وہ ہر ممکن وسیلہ اختیار کر کے قادیانیت کے زہر کے لیے کوئی تریاق تلاش کرنے میں ہمہ تن مصروف رہتے۔ چنانچہ ان کے ہاں بھی اس سلسلے میں وہی بے چینی اور وہی اضطراب نظر آتا ہے جو مولانا محمد علی مونگری بانی ندوۃ العلماء اور حضرت انور شاہ کاشمیری کے ہاں رد قادیانیت کے سلسلے میں ہم دیکھتے ہیں۔مجلس احرار اسلام کے ساتھ جو حضرت رائے پوری نے تعلق اور واسطہ اختیار کر رکھا تھا۔اس کی غرض وغایت بھی یہی تھی کہ وہ بے چینی اور وہ اضطراب جو ان کے اپنے ہاں قادیانیت کے سلسلے میں تھا۔اسے مجلس احرار میں منتقل کر دیا جائے اور اس طرح یہ جنگ جو انفرادی سطح پر جاری ہے اسے جماعتی سطح پر تبدیل کر دیا جائے۔وہ یہ بات سمجھتے تھے کہ جماعت کا مقابلہ صرف جماعت ہی کر سکتی ہے۔اور تنظیم کا مقابلہ صرف تنظیم ہی کی صورت میں کیا جا سکتا ہے۔ یہ ان کے خلوص ان کے اضطراب اور بے چینی کے صدق کی ایک مبین دلیل ہے کہ حضرت رائے پوریؒ کی وہ بے چینی واضطراب جو انہیں قادیانیت کے بارے میں تھی۔ اسے مجلس احرار اسلام کے رہنماؤں میں منتقل کرنے میں وہ سو فیصد کامیاب ہوئے۔احرار رہنماؤں میں دراصل ان کے ہی جذبے کی کارفرمائی تھی۔آپ کہہ سکتے ہیں کہ مجلس احرار اسلام کے رہنما میں لے کر اس کے ہر رضا کار تک حضرت رائے

پوریؒ کا ہی عطا کردہ جذبہ کام کررہا ہے جو اب تک قادیانیت کے محاسبے کے لیے سرگرم کار ہے اس لحاظ سے بھی دیکھا جائے تو ہماری نظروں میں حضرت رائے پوریؒ کا مقام و مرتبہ بلند ہوجاتا ہے کہ انھوں نے مجلس احرار اسلام ہی کو اس قابل جانا جماعت پر شفقت فرماتے۔ احرار کو دل و جان سے چاہتے اور ہر محاذ اور ہر کام میں جو رد قادیانیت کے سلسلے میں مجلس احرار سرانجام دیتی اس کی آپ سرپرستی فرماتے تھے اور مجلس احرار اسلام کو توانا اور مضبوط سے مضبوط تر بنانے کے لیے ہر ممکن کوشش بھی کرتے تا کہ مجلس احرار اسلام زیادہ مضبوط اور مؤثر انداز میں قادیانیت کا محاسبہ کر سکے۔ مرزائیت کے بارے میں ہمہ وقت متفکر رہنا ان کی مقتضائے طبیعت بن گئی تھی جب بھی کوئی مجلس احرار اسلام سے متعلقہ رضا کار یا پھر رہنما آپ کے پاس آجاتا تو آپ سب کو چھوڑ کر اس کی طرف متوجہ ہوجائے اس سے پوچھتے کہ قادیانیت کے بارے میں ملک کے اندر کیا ہو رہا ہے اگر کوئی احرار سے متعلقہ رہنما آتا تو اسے تحفظ ختم نبوت کے مشن کے لیے مالی امداد بھی مہیا کرتے اور تمام متعلقین جو اس وقت آپ کے پاس بیٹھے ہوئے ہوتے انھیں بھی متوجہ کرتے۔ مولانا محمد علی تحریر فرماتے ہیں۔

> ''ایک دفعہ ان کی خدمت میں حاضر ہوا تو ایک نوٹ نکال کر عطا فرمایا کہ ختم نبوت کی امداد میری طرف سے حاضرین کو توجہ دلائی، سب نے امداد کی مولانا فضل احمد نے دس روپے کا نوٹ نکال کر دیا فرمایا پانچ روپے رکھ لو میں پانچ روپے کا نوٹ واپس کرنے لگا تو حضرت نے فرمایا واپس کیوں لیتے ہو یہ بھی دے دو۔''
>
> (مکتوب بنام مؤلف کتاب حضرت مولانا عبدالقادر رائے پوریؒ)

آپ کا یہ خاص انداز اور طریقہ تھا کہ جن لوگوں نے قادیانیت کے خلاف کام کرنے کے لیے رات کی نینداور دن کا چین ختم کر رکھا تھا، انہیں خاص طور پر نوازتے اور ان کے ساتھ محبت اور پیار کی انتہا کر دیتے تھے۔ ان کی یہ محبت اور یہ پیار رہنما کے دل میں ایک ایسا جذبہ اور جسم میں ایک ایسی طاقت پیدا کر دیتی تھی، جس سے دل و دماغ کی کیفیت ہی بدل جاتی تھی۔ مجلس احرار اسلام کے بارے میں جو یہ کہا جاتا ہے کہ جنونی لوگوں کی جماعت ہے۔ یہ جنون و عشق جو انھیں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ اقدس سے ہے فقط اللہ تعالیٰ کا کرم اور حضرت رائے پوریؒ کی دعاؤں کا ہی صدقہ ہے کہ آج احرار رضا کار سے لے کر احرار رہنما تک بڑے دھڑلے سے یہ کہہ سکتا ہے:

تشکیلِ نو میں میری ہے میرے جنوں کا ہاتھ
میرا شکوہِ ذات ہے میرے ثبات میں

کسی محاذ پر ڈٹ جانا اور ڈٹے رہنا، اسی کو ثبات کہا جاتا ہے اور دیکھا جائے تو یہ ثبات تب پیدا ہوتا ہے جب مؤقف کی صداقت پر لازوال یقین ہو۔ مجلس احرار اسلام نے ردّ قادیانیت کا کام شروع کیا تو پھر اُسے ہر حال میں جاری بھی رکھا۔ اُس وقت بھی جب سب نے اپنے سیاسی مقاصد کے لیے اُسے چھوڑ دیا۔ دراصل دیکھا جائے تو یہ ثبات ہی تو وہ اعزاز ہے جس پر بجا طور پر اللہ کا شکر اور ناز کرنا ضروری ہوجاتا ہے۔ اور یہی سبب ہے کہ ہم احراری اس اعزازِ ثبات پر اللہ تعالیٰ کا ہر وقت شکر بھی

ادا کرتے رہتے ہیں اور ہمیں اس پر ناز بھی ہے کہ ہمارے قدم اس میدان میں آگے ہی بڑھے ہیں، پیچھے نہیں ہٹے:

ہم نے ہی ڈالی رسمِ جنوں ہم نے ہی جنوں اعجاز کیا　　ہر ایک قدم تھا کوہِ گراں جب ہم نے سفر آغاز کیا
ہم خوگر ہیں طوفانوں کے ہر پہر بسیرا ہے دنیا　　کیا خوب ہے ڈالی ریت ہم نے کیسا یہ پیش انداز کیا
بخشی ہے جنوں کی تابانی ہاں رختِ بدن کو لیلیٰ کے　　یوں لَو پہ آتش کی ناچے یوں سوز کو ہم نے ساز کیا

مولانا انوری صاحب لکھتے ہیں:

''آخر عمر میں حضرت اقدس کو ردّ مرزائیت کی طرف بڑی توجہ ہوگئی تھی۔ مولوی محمد حیات صاحب (جنھیں قادیانیوں اور یہودیوں کی کتابیں از بر تھیں) کو بلا کر مباحث سنتے اور مولانا لال حسین اختر کو بلوا بھیجتے تھے۔ مولانا ابراہیم سیالکوٹی کی ''شہادت القرآن'' کو بڑی عزت کی نگاہ سے دیکھتے تھے۔ دوبارہ اس کی طباعت کرانے کے متمنی تھے۔ آخر کار حضرت اقدس نوراللہ مرقدہٗ کی توجہ مبارک سے اس کی دوبارہ اشاعت ہوگئی اور علمی خزانہ ہاتھ آ گیا۔ علماء جو اِدھر سے اُدھر کے مسائل میں الجھے رہتے تھے۔ اس سے حضرت کو بڑا صدمہ ہوتا تھا۔ ان مباحثوں میں حضرت نہیں پڑتے تھے بلکہ اہم کام ردّ قادیانیت کو دیتے تھے۔'' (مکتوب حضرت مولانا انوری بنام مؤلف حضرت مولانا عبدالقادر رائے پوری، ابوالحسن علی ندوی)

کسی علاقے کے عالم دین سے ملتے تو اُس سے قادیانیوں کی سرگرمیوں کے بارے میں خصوصی طور پر پوچھتے جس کے بعد اُس سے فرماتے کہ آپ ردّ قادیانیت کے سلسلے میں کیا کر رہے ہیں۔ اگر جواب نفی میں ملتا تو اُس پر اظہارِ ناراضی فرماتے اور اُسے تلقین فرماتے کہ ردّ قادیانیت کے مسئلہ کو دین کے دوسرے کاموں پر اوّلیت دو اور یہ تساہل وغفلت جو تم نے اس سلسلے میں اختیار کر لیا ہے، اسے چھوڑ دو۔

تحریک ختم نبوت کے دوران تحریک کو کامیابی سے ہمکنار دیکھنا چاہتے تھے۔ اس کے لیے اپنے ہر ملنے والے کو تلقین وترغیب کا سلسلہ آپ نے تحریک کے دوران جاری رکھا۔ کئی افراد نے آپ کی تلقین پر تحریک میں گرفتاری پیش کی۔

مولانا ابوالحسن علی ندوی کو اس بات پر تیار کیا کہ وہ قادیانیت کے بارے میں عربی میں ایک کتاب تحریر کریں۔ چنانچہ یہ حضرت کی ہی رات دن کی تلقین وترغیب کا نتیجہ تھا کہ چند ماہ میں مولانا ابوالحسن علی ندوی نے قادیانیت کے موضوع پر ایک اہم کتاب تحریر کر دی۔ مولانا ابوالحسن علی ندوی اپنی کتاب حضرت مولانا عبدالقادر رائے پوری میں آپ کی اس خواہش کا محرک اُس کلوکیم (مذاکرہ اسلامی) کو قرار دیا ہے جو جنوری ۱۹۵۸ء میں لاہور میں پنجاب یونیورسٹی میں ہوا تھا۔ جس میں مشرقِ وسطیٰ کے بعض علماء نے قادیانیت کے بارے میں کچھ سوالات اٹھائے اور اس بات کا اظہار کیا کہ قادیانیت کے بارے میں عربی زبان میں ایک کتاب ضروری ہے۔ تاکہ عرب ممالک کے علماء اس سے استفادہ کر سکیں۔ چنانچہ صوفی عبدالحمید کی کوٹھی میں صرف چند ماہ کے اندر عربی زبان میں کتاب مکمل کر لی گئی۔ جس کے بعد حضرت رائے پوری ہی کی

خواہش پر اس کا اردو ترجمہ کیا گیا اور ''قادیانیت'' کے نام سے بہت جلد ایک اور کتاب منصۂ شہود پر آ گئی۔ مولانا ابوالحسن علی ندوی خود تحریر کرتے ہیں کہ یہ کام مجھ جیسے فرد سے بہت ہی کم عرصہ یعنی چند ماہ میں کیسے مکمل ہوا جبکہ میں مزاجاً قادیانی کتب سے دانستہ نا آشنا تھا۔ وہ کہتے ہیں میرے دوست واحباب بھی اس پر حیران تھے کہ ایک ایسے شخص کے قلم سے یہ کتابیں کیسے تیار ہو گئیں جو اس موضوع کے ابجد سے بھی واقف نہیں ہے۔

عربی کتاب ''القادیانی والقادیانیۃ'' شائع ہو کر مصر و شام کے علاوہ افریقہ کے اُن ممالک میں تقسیم ہوئی جہاں پر قادیانی کارستانی اپنے عروج پر تھی۔ مشرقِ وسطیٰ اور افریقی ممالک میں اس کتاب نے علماء کو قادیانیت سے متعارف کرایا۔ بعد میں جس کا اردو ترجمہ ''قادیانیت'' شائع ہوئی جو قادیانیت کے بارے میں ایک مفید کتاب کے طور پر اب تک اہل علم کے زیر مطالعہ چلی آ رہی ہے۔

ان تمام حالات کو قلمبند کرنے کا مقصد صرف یہی ہے کہ حضرت رائے پوری رحمتہ اللہ علیہ کی ردّ قادیانیت کے سلسلے میں بے پناہ خدمات سے نئی نسل کو متعارف کرایا جائے تا کہ وہ جان سکے کہ قادیانیت کس فتنۂ عظیم کا نام ہے اور اس کے ردّ اور اس کے تدارک کے لیے جو کچھ اُن سے بن پڑے کر گزریں۔ اس کے ساتھ نئی نسل اس بات پر بھی سوچے اور غور کرے کہ حضرت انور شاہ کاشمیریؒ اور حضرت عبدالقادر رائے پوری جیسی عظیم ہستیاں فقط مجلس احرار اسلام پر کیوں فریفتہ تھیں اور انھوں نے مجلس احرار اسلام کی سرپرستی اور معاونت میں ہی کیوں اپنے پورے وسائل کو مجلس احرار اسلام کے لیے وقف کر دیا تھا؟ آخر میں انہی عظیم ہستیوں کے حوالے سے ایک شعر پر اپنے اس طویل مضمون کو ختم کرتا ہوں جن کا جذبۂ صادقہ اور اُجلا کردار ردّ قادیانیت کے سلسلے میں نئی نسل کے لیے نشانِ راہ بن چکا ہے:

مجھ کو جنوں و جذب کی سوغات دے گیا
گزرا تھا دل کی بستی سے اک کاروانِ شوق